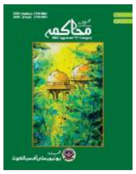

علمی و تحقیقی مجلہ "محاکمہ" یونیورسٹی آف سیالکوٹ

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ڈاکٹر محمد خاور نوازش، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

اردو میں ترجمے کا سفر: علمی و اشاعتی اداروں کی خدمات کا تاریخی جائزہ

THE JOURNEY OF TRANSLATION IN URDU: A HISTORICAL REVIEW OF THE SERVICES OF ACADEMIC AND PUBLISHING INSTITUTIONS

Dr. Muhammad Khawar Nawazish, Associate Professor, Department of Urdu, BZU, Multan
khawarnawazish@bzu.edu.pk

ABSTRACT

The journey of translation in Urdu began in the latter half of the seventeenth century with "Sharah-e-Tamheedat-e-Hamadani". Later on, this tradition continued in the form of stories translated from Persian into Urdu, which were academically supported by Fort William College. After that, the services of Delhi College, Sir Syed's Aligarh Scientific Society, Shibli's Dar-ul-Musannafeen and "Dar-ul-Tarjuma" of Osmania University, Hyderabad, Deccan are of great importance. After 1947, in Pakistan; government administrative and academic institutions, universities and private publishing houses made a special contribution to the promotion of translation. This article has taken a historical review of the services of the institutions that played a significant role in the journey of translation in such a way that the establishment of those institutions, their aims and objectives, the writers and translators associated with them and the prominent books published by them are also covered. This research paper may significantly assist researchers in understanding the history of translation in Urdu with regard to the services of various societies and institutions.

KEYWORDS: Translations in Urdu, History of Translation, Societies, Publishing Houses, Academic Institutions, Dar-ul-Tarjuma,

اردو میں ترجمے کا سفر سترھویں صدی کے نصف آخر میں "شارع التمہیدات ہمدانی" سے شروع ہوا۔ بعد میں یہ روایت فارسی سے اردو میں ترجمہ شدہ کہانیوں کی شکل میں جاری رہی جنھیں فورٹ ولیم کالج نے علمی طور پر سہارا دیا۔ اس کے بعد دہلی کالج، سرسید کی علی گڑھ سائنٹفک سوسائٹی، شبلی کی دارالمصنفین اور عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن کی "دارالترجمہ" کی خدمات بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ 1947 کے بعد پاکستان میں سرکاری انتظامی اور تعلیمی اداروں، یونیورسٹیوں اور نجی اشاعتی اداروں نے ترجمے کے فروغ میں خصوصی تعاون کیا۔ اس مضمون میں ترجمے کے سفر میں نمایاں کردار ادا کرنے والے اداروں کی خدمات کا اس طرح تاریخی جائزہ لیا گیا ہے کہ ان اداروں کے قیام، ان کے اغراض و مقاصد، ان سے وابستہ مصنفین و مترجمین اور ان کی طرف سے شائع ہونے والی نمایاں کتابوں کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

تحقیقی مقالہ محققین کو مختلف ادارہ جات کی خدمات کے حوالے سے اردو میں ترجمے کی تاریخ کو سمجھنے میں معاون ثابت ہو گا اور ترجمہ نگاری کا رجحان فروغ پائے گا۔

کلیدی الفاظ: اردو ترجمہ، تاریخِ ترجمہ، سوسائیٹیز، اشاعتی ادارے، علمی ادارے، دارالترجمہ۔

اردو میں ترجمہ کاری کی ابتدا اور بالخصوص اولین ترجمے کے حوالے سے محققین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اولین ترجمے کے حوالے سے مندرجہ ذیل دو کتب کا ذکر ملتا ہے:

(الف) پہلی کتاب ابوالفضائل عبد اللہ بن محمد المعروف بہ قاضی عین القضات ہمدانی کی "زبدۃ الحقائق المعروف بہ تمہیداتِ عین القضات" ہے۔ اسے بعض محققین نے سہواً عربی کتاب لکھ دیا ہے جبکہ اصل میں یہ فارسی میں لکھی گئی کتاب تھی۔ اپنے موضوع اور مندرجات کی بنا پر یہ کتاب اُس زمانے کے علما کی نظر میں قابلِ تعزیر قرار پائی اور اس کے مصنف کے خلاف قتل کا فتویٰ دیا گیا۔ نتیجتاً سلطان احمد سنجر سلجوقی کے وزیر قوام الدین ابوالقاسم کے حکم پر اس کتاب کے مصنف کو زندہ جلا دیا گیا۔ اس کتاب کی ایک شرح "شرحِ تمہیدات" کے عنوان سے خواجہ گیسو درازؒ نے فارسی میں ہی لکھی اور پھر شاہ میراں جی خدا نما نے اصل کتاب اور خواجہ گیسو درازؒ کی شرح کو سامنے رکھتے ہوئے دکنی زبان (اردو) میں اس کا آزاد ترجمہ کیا جسے شرحِ تمہیداتِ ہمدانی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ شاہ میراں جی خدا نما کو اکثر محققین سہواً شاہ میراں جی شمس العشاق لکھ جاتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہ دونوں الگ شخصیات ہیں۔ شرح تمہیداتِ ہمدانی کے مترجم شاہ میراں جی خدا نما ہیں اور انھوں نے حیدر آباد دکن میں سترہویں صدی کے نصف دوم (۱۶۵۶ء سے ۱۶۶۴ء کے درمیان) میں یہ ترجمہ کیا(۱)۔

(ب) دوسری کتاب پندرھویں صدی عیسوی کے نصف اول میں سلطنتِ تیموریہ کے سلطان شاہ رُخ مرزا کے درباری خطاط اور قادرالکلام شاعر محمد یحییٰ ابن سیبک مشہور بہ فتاحی نیشاپوری کی لکھی ہوئی فارسی مثنوی "دستورِ عشاق یعنی قصۂ شہزادہ حسن و شاہزادہ دل" کا اُردو زبان میں نثری ترجمہ ہے جو ملا وجہی نے "سب رس" کے عنوان سے ۱۶۳۵ـ۳۶ء میں کیا اور اس میں اپنی طرف سے کچھ اضافے بھی کر دیے ہیں۔ اسی کتاب کو اردو کی اولین نثری داستان بھی سمجھا جاتا ہے(۲)۔

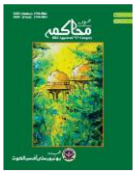

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

نثار احمد قریشی اپنے مقالے بعنوان "اردو میں نثری تراجم کی روایت کا مختصر جائزہ"(۳) میں موخر الذکر کو اُردو کی پہلی ترجمہ شدہ کتاب تصور کرتے ہیں، تاہم حامد حسن قادری اور ڈاکٹر جمیل جالبی کی تحقیقات کی روشنی میں شاہ میراں جی خدا نما ہی پہلے مترجم ہیں۔ ۱۶۷۳ء میں شیخ رکن الدین بن عماد الدین دبیر کی تالیف "شمائل الاتقیا" کا اُردو ترجمہ میراں یعقوب نے کیا(۴)۔ پھر ۱۷۰۴ء میں شاہ ولی اللہ قادری نے شیخ محمود کی فارسی تصنیف "معرفت السلوک" کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کے بعد مشہور فارسی قصے "طوطی نامہ" کے اُردو ترجمے کا ذکر ملتا ہے۔ حامد حسن قادری(۵) بتاتے ہیں کہ اس قصے کا پہلا اردو ترجمہ ۱۷۲۹ء میں ہوا تاہم مترجم کے نام کے حوالے سے محققین خاموش ہیں۔ البتہ اِس قصے کا دوسرا مشہور اُردو ترجمہ فورٹ ولیم کالج میں ۱۸۰۱ء میں سید حیدر بخش حیدری نے کیا اور نام "طوطا کہانی" رکھا۔ "طوطی نامہ" اصلاً کلیلہ و دمنہ کی طرح سنسکرت زبان میں ایک طوطے کی زبانی لکھی گئی ستر کہانیوں پر مشتمل تصنیف تھی جسے پہلی بار فارسی میں مولانا ضیاء الدین بخشی بدایونی نے منتقل کیا اور ستر میں سے باون کہانیوں کا انتخاب کیا۔ اُس فارسی ترجمے کی مشکل زبان کو دیکھتے ہوئے سید محمد قادری نے اسے نسبتاً آسان فارسی میں لکھا جس کے بعد یہ سید محمد قادری کے نام سے ہی زیادہ مشہور ہو گیا۔ ۱۶۳۹ء میں قادری کے اِسی قصے کو مشہور دکنی شاعر غواصیؔ نے اور پھر ۱۶۶۵ء میں ابنِ نشاطی نے منظوم کیا۔ اس قصے کے انگریزی، جرمنی اور ترکی سمیت کئی زبانوں میں تراجم ہوئے۔ اسی قصے کا ایک ترجمہ ابو الفضل نے بھی کیا جس کے بارے میں روایت ہے کہ اُسے بادشاہ اکبر نے ترجمے کی یہ ذمہ داری سونپی تھی۔ ۱۷۳۱ء میں ملا حسین واعظ کاشفی کی فارسی تصنیف "روضتہ الشہداء" کا اُردو ترجمہ فضل علی فضلی نے "کربل کتھا" کے نام سے کیا۔ فضلیؔ کے بعد میر عطا حسین خان تحسینؔ اس روایت کا اہم پڑاؤ ہیں کہ جنھوں نے ۱۷۷۵ء میں مشہور فارسی قصہ چہار درویش کا انتہائی ثقیل زبانِ اُردو میں ترجمہ کیا اور نام "نوطرزِ مرصع" رکھا۔ حامد حسن قادری بتاتے ہیں کہ اس قصے کی تصنیف کا کام تحسینؔ نے اُس وقت شروع کیا جب وہ جنرل اسمتھ کی ملازمت میں تھے لیکن اس کی تکمیل ۱۷۹۸ء میں اُس وقت ہوئی جب وہ نواب شجاع الدولہ کے دربار میں ملازم تھے(۶)، نثار احمد قریشی نے بھی "نوطرزِ مرصع" کی تکمیلِ تصنیف کا سال ۱۷۹۸ء ہی لکھا ہے(۷)، تاہم دہلی یونیورسٹی شعبہ اُردو کے پروفیسر ارتضیٰ کریم، مرتبِ کتابِ مذکور، نے لکھا ہے کہ "نوطرزِ مرصع اپنی تکمیل کو ۱۷۷۵ء میں پہنچی"(۸)۔ نور الحسن ہاشمی جنھوں نے اس قصے کو میں پہلی بار مرتب کیا لکھتے ہیں کہ "مولانا محمد حسین آزاد اس کا سالِ تصنیف ۱۷۹۸ء بتاتے ہیں

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

حالانکہ یہ اس سے بہت پہلے لکھی گئی تھی"(۹)،اسی نوطرزِ مرصع کو سامنے رکھتے ہوئے بعد میں میر امن دہلوی نے مشہور داستان "باغ و بہار" لکھی جسے ماخوذ ترجمہ کہہ سکتے ہیں۔

اس کے بعد ترجمے کی متذکرہ روایت میں قرآن کریم کے دواولین اُردو تراجم کا ذکر ملتا ہے۔ قرآن کریم کا پہلا اُردو ترجمہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین نے ۱۷۷۶ء میں کیا۔ یہ لفظی ترجمہ ہونے کی وجہ سے زیادہ رواں نہ تھا لہٰذا شاہ رفیع الدین کے چھوٹے بھائی شاہ عبد القادر نے ۱۷۹۵ء میں قرآن کریم کا نسبتاً آسان، رواں اور بامحاورہ اُردو ترجمہ کیا۔ مذہبی صحائف میں سے قرآن کریم کے علاوہ بائبل مقدس کے انگریزی سے اُردو تراجم کا سلسلہ بھی اٹھارویں صدی میں ہی شروع ہوا۔ اٹھارویں صدی کے اختتام تک اُردو زبان میں جتنے بھی تراجم سامنے آئے اُن میں سے بیشتر کے موضوعات مذہبی ہی تھے اور سب رس، طوطی نامہ اور نوطرز مرصع وغیرہ کی صورت میں جو چند جمالیاتی متون کے تراجم سامنے آئے وہ بھی ایسی اُردو زبان میں تھے جو فارسی کے رنگ میں پوری طرح رنگی ہوئی تھی۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اُس زمانے تک تمام تراجم دراصل انفرادی دلچسپیوں کا ہی نتیجہ تھے اسی لیے اُن میں ترجمہ کاری کے ضوابط کی پیروی اور منظم پن کا احساس نہیں ہوتا۔ جس مترجم کو کسی کتاب کا جو حصہ پسند آیا، جتنا جی چاہا انتخاب کیا اور اُسے ترجمہ کر دیا، بسا اوقات مترجمین کتاب کے اصل مصنف کی بابت ذکر بھی نہ کرتے تھے لیکن بعد کے زمانے میں ترجمے کی روایت کو جب ادارہ جاتی سرپرستی حاصل ہوئی تو اس میں جدت کے ساتھ ساتھ تنظیم کا عنصر بھی نمایاں ہوتا گیا۔

انیسویں صدی کے آغاز میں فورٹ ولیم کالج کا قیام بنگال، مدراس اور بمبئی سمیت ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تعینات ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز افسران کو مقامی زبان اور علوم سے آشنا کرنے کے لیے عمل میں آیا۔ کالج میں جن نصابی کتب کی تیاری کا کام شروع ہوا اُن میں تراجم کی بھی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔ ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی سربراہی میں حیدر بخش حیدری، میر امن، میر شیر علی افسوس، کاظم علی جوان، بہادر علی حسینی، مظہر علی خان وِلا، مولوی امانت اللہ شیدا، خلیل علی خان اشک، للولال اور نہال چند لاہوری جیسے مترجمین نے فارسی، سنسکرت، عربی، برج بھاشا اور ہندی کتب کے ہندوستانی زبان (اُردو) میں تراجم کیے۔ جن کتب کے تراجم ہوئے اُن میں قصہ چہار درویش (نوطرزِ مرصع)، بہارِ دانش، طوطی نامہ،

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ہفت سیر، گلزارِ ابراہیم، مادھونل اور کام کندلا، بیتال پچیسی، اخوان الصفا، بھگوت گیتا اور شکنتلا وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ اسی کالج کے زیرِ اہتمام اُردو قواعد اور لغات پر بھی بہت موثر کام سامنے آیا۔

فورٹ ولیم کالج کے بعد تراجم کی روایت میں دِلی کالج کا بہت گراں قدر حصہ شامل ہے۔ تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ ادارہ ۱۷۹۲ء میں نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ نے عربی اور فارسی زبان کے علاوہ مشرقی علوم کی تدریس کے لیے قائم کیا اور اس کا نام مدرسہ غازی الدین رکھا۔ ۱۸۲۵ء میں انگریزوں نے اسے باقاعدہ کالج کا درجہ دیا اور اس کا نام دہلی کالج رکھ دیا گیا۔ یہ کالج ۱۸۵۷ء تک ہندوستانیوں کو ریاضی، فلسفہ اور تاریخ جیسے مضامین کی تعلیم اُردو زبان میں دیتا رہا اور پھر ہنگاموں کی نظر ہو گیا۔ اُردو زبان میں تعلیم کے لیے مختلف سائنسی علوم اور انگریزی زبان میں موجود کتب کے اُردو میں تراجم کرائے گئے۔ اس ضمن میں کالج کی دہلی ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی کی خدمات قابلِ تحسین ہیں۔ یہ سوسائٹی ۱۸۴۲ء میں قائم ہوئی تھی۔ فرانسیسی مستشرق مسٹر فلیکس بوترو (جو دہلی کالج کے پرنسپل بھی رہے) اس سوسائٹی کے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ وہ سائنسی علوم کی تعلیم مقامی زبانوں میں دینے کے زبردست حامی تھے اسی لیے سائنسی لٹریچر جو انگریزی میں تھا اُسے سنسکرت، فارسی، بنگالی اور اُردو میں ترجمے کا منصوبہ بنایا تاہم یہ کام صرف اُردو کی حد تک ہی محدود رہ گیا۔ اُن کے ساتھ دہلی کالج کے ایک اور پرنسپل اور مشرقی زبانوں کے عالم ڈاکٹر شپرنگر کا ذکر بھی آتا ہے جن کا تعلق جرمنی سے تھا۔ منشی کریم الدین، منشی ذکاالله دہلوی، پنڈت رام چندر اور پنڈت رام کرشن وغیرہ بھی اس سوسائٹی کا حصہ رہے۔ دہلی ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی کے زیرِ اہتمام ۱۱۴ کتب اُردو میں ترجمہ ہوئیں جن میں تاریخ، جغرافیہ، کیمیا، طبیعات، برقیات، ریاضی اور طب کے حوالے سے کتب شامل تھیں۔ اس سوسائٹی کی کتب سمیت دہلی کالج کے زیرِ اہتمام اردو میں ترجمہ ہونے والی کتابوں کی کل تعداد جو مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب "مرحوم دہلی کالج" میں بتائی ہے وہ ۱۲۸ ہے۔

دہلی کالج میں ترجمے کی روایت کو سرسید احمد خان اور اُن کے رفقانے آگے بڑھایا۔ غازی پور میں سرسید کی سربراہی میں ۱۸۶۲ء میں سائنٹفک سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا۔ جس کا بنیادی مقصد کم و بیش وہی تھا جو دہلی ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی کا تھا یعنی سائنسی علوم کی کتب کو اردو میں ترجمہ کرنا لیکن اس کے بانی سرسید احمد خان چونکہ تاریخ سے زیادہ دلچسپی رکھتے تھے اس لیے اسی موضوع پر زیادہ کتب تالیف و ترجمہ ہوئیں۔ سرسید کے غازی پور سے علی گڑھ آنے کے بعد ۱۹۶۴ء میں

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

سائنٹفک سوسائٹی کا دفتر بھی علی گڑھ منتقل ہو گیا۔ علی گڑھ میں اس سوسائٹی کو خاص مقبولیت ملی، اسی لیے جب سر سید کا تبادلہ علی گڑھ سے بنارس ہوا تو سوسائٹی کا دفتر علی گڑھ میں ہی رکھا گیا اور اس کے سیکرٹری راجہ کشن داس مقرر ہوئے۔ یہ سوسائٹی ۱۸۸۷ء تک تالیف و ترجمے کے کام میں سرگرم رہی اور پھر اسے علی گڑھ مدرستہ العلوم میں ضم کر دیا گیا۔ سائنٹفک سوسائٹی کی مطبوعات کی دو خاصیتیں یہ تھیں کہ اُن پر سلسلہ نمبر درج ہوتا تھا اور وہ ڈیوک آف آگائل (Duke of Argyll) کے نام یوں منسوب کی جاتی تھیں کہ ہر کتاب کے سرنامے پر "To His Grace Duke of Argyll Pattern Society" باقاعدہ درج کیا جاتا تھا۔ ڈیوک آف آگائل جارج کیمبل ۱۸۶۸ء سے ۱۸۷۴ء تک انگریز حکومت کی طرف سے ہندوستان کے سیکرٹری آف سٹیٹ رہے اور ہندوستان کی اقتصادی ترقی اور بالخصوص تعلیم کے حوالے سے ایسی قابلِ قدر خدمات انجام دیں جن کے سر سید احمد خان بھی معترف رہے۔ سائنٹفک سوسائٹی کے زیرِ اہتمام تاریخ اور زبان کے علاوہ علمِ فلاحت، علمِ ہندسہ، طبیعات، معاشیات اور جغرافیہ کی کتب بھی ترجمہ ہیں (۱۰)۔ اُس زمانے میں ادارہ جاتی کام سے ہٹ کر انفرادی سطح پر بھی ترجمے کا بہت سا کام ہوا لیکن وہ زیادہ تر تاریخ، سیرت، قانون اور تہذیب و تمدن کے موضوعات پر تھا۔ سر سید کے رفقا میں سے مولوی نذیر احمد، حالیؔ، شبلیؔ اور مولوی ذکاءاللہ ایسے علما نے بہت سی کتابوں کے تراجم کیے۔ ان میں سے مولوی ذکاءاللہ کا خصوصی ذکر اس لیے ضروری ہے کہ انھوں نے تاریخ و تمدن کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم کی کتب کے ترجمے اور تالیف پر زیادہ توجہ مرکوز رکھی۔

سر سید کی کوششوں اور کاوشوں کے بعد اس روایت کو انجمن ترقی اُردو، اورنگ آباد (قیام: ۱۹۰۳ء) نے آگے بڑھایا۔ مولوی عبد الحق اس ادارے سے ۱۹۱۳ء میں منسلک ہوئے۔ انجمن ترقی اُردو کے زیرِ اہتمام سید سجاد حسین، مولانا عبد الماجد دریابادی، سید عابد حسین، ڈاکٹر ذاکر حسین اور ڈاکٹر یوسف حسن نے افلاطون، گوئٹے، براؤن، ٹامس بکل اور گارساں دتاسی کی کتب ترجمہ کیں۔ انجمن کے اس دور میں خاص طور پر نفسیات اور بشریات کی کتب کے تراجم ہوئے۔

۱۹۱۳ء میں علامہ شبلی نعمانی انجمن ترقی اُردو سے مستعفی ہوئے اور دار المصنفین کے نام سے اُس ادارے کے قیام و مقاصد کا مکمل خاکہ بنایا جس کی تجویز وہ اس سے پہلے ندوۃ العلوم اعظم گڑھ کے منتظمین کے سامنے بھی پیش کر چکے تھے۔ "دار المصنفین" کے قیام کے لیے انھوں نے اپنی وراثتی زمین وقف کی۔ ۱۹۱۴ء میں شبلی کا انتقال ہو گیا۔ بعد ازاں اُن کے

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

شاگردوں سید سلیمان ندوی اور مولانا عبد السلام ندوی نے شبلی کے اس خواب کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ دارالمصنفین میں شبلی کی خواہش کے عین مطابق ایسے جید علما کو اکٹھا کیا گیا جنھوں نے تراجم کے حوالے سے دنیا کی بہترین کتابوں پر کام کیا۔ اسی ادارے سے "معارف" کے نام سے ایک رسالہ بھی ۱۹۱۶ء میں جاری کیا گیا۔ دارالمصنفین کے زیرِ اہتمام فرانسیسی ماہر نفسیات و بشریات ڈاکٹر گستاؤلی بان کی مشہور کتاب The Psychology of Socialism جو پہلی دفعہ ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی اور اس کا انگریزی ترجمہ نیویارک سے ۱۸۹۹ء میں شائع ہوا، کا اُردو ترجمہ "روح الاجتماع" کے عنوان سے مولانا محمد یونس انصاری نے کیا۔ اسی طرح مشہور آئرس فلسفی جارج برکلے کی پہلی بار ۱۷۱۰ء میں شائع ہونے والی کتاب A Treatise Concerning the Principal of Human Knowledge کا اُردو ترجمہ دکن کالج پونہ کے اسسٹنٹ پروفیسر مولوی عبد الباری ندوی سے "مبادی علمِ انسانی" کے عنوان سے کروا کر دارالمصنفین پریس سے شائع کیا گیا۔ مشہور سکاٹس مصنف چارلس رابرٹ گبسن، جو رائل سوسائٹی آف ایڈن برا کے فیلو اور فلاسوفیکل سوسائٹی آف گلاسگو کے صدر بھی رہے، کی ۱۹۰۹ء میں شائع ہونے والی مشہور کتاب Scientific Ideas of Today کا اُردو ترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد میں طبیعات کے اُستاد محمد نصیر احمد عثمانی (نیو تنوی) سے "افکارِ عصریہ" کے عنوان سے کروا کر دارالمصنفین پریس سے شائع کیا گیا۔ مولانا عبد الماجد دریابادی کی فلسفۂ جذبات اور فلسفۂ اجتماع، برکلے کے مکالمات، نیٹشے اور روسو ایسے اہم ترین مصنفین کی کتب بھی اس ادارے نے شائع کیں۔ مرزا حامد بیگ کے مطابق ۱۹۶۴ء تک دارالمصنفین کے زیرِ اہتمام ۱۱۷ کتب ترجمہ و تالیف ہوئیں(۱۱)۔

تقسیمِ ہند سے پہلے برصغیر کے جس ادارے نے ترجمے کے میدان میں سب سے زیادہ کارہائے نمایاں انجام دیے اُن میں سے جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کا دار الترجمہ سرِفہرست ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن کے قیام کا اعلان ۱۹۱۷ء میں ہوا اور ساتھ ہی اس میں ایک شعبہ تالیف و ترجمہ فوری طور پر قائم کرنے کی منظوری دی گئی کیونکہ اس یونیورسٹی کے قیام کا بنیادی مقصد ہی اُردو زبان میں اعلیٰ تعلیم مہیا کرنا تھا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے سب سے ضروری نصابی کتب کو اُردو زبان میں ترجمہ کرنا تھا چنانچہ اس منصوبے کے تحت شعبہ تالیف و ترجمہ المعروف بہ دارالترجمہ میں سات ایسی کمیٹیاں تشکیل دی گئیں جن کے ذمے کتب کے متعلقہ کتب کا انتخاب، ترجمہ، وضع اصطلاحات، غور و خوض، نظرِ ثانی اور کتابوں کو حتمی شکل

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

دیتا تھا۔ بابائے اُردو مولوی عبد الحق دارالترجمہ کے ناظم تعینات ہوئے۔ اُن کے ساتھ نامور ہستیوں میں قاضی محمد حسین، چودھری برکت علی، مولوی الیاس برنی، سید ہاشمی فرید آبادی، عبد الماجد دریابادی اور عبد الحلیم شرر رفیقِ کار ہوئے جبکہ وضع اصطلاحات کی مجلس میں مولوی وحید الدین سلیم، مولوی مرزا مہدی خاں کوکب اور مولوی علی حیدر طباطبائی کی خدمات نمایاں رہیں، مجلسِ اہلِ علم جو وضع اصطلاحات کے سلسلے میں مشاورت کے لیے قائم ہوئی اُس میں پروفیسر عبد الواسع صفا، مرزا ہادی رسوا، مولانا سید سلیمان ندوی اور سر راس مسعود ایسے علما شامل تھے۔

دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ نے تقسیمِ ہند (۱۹۴۷ء) تک، چالیس برس ہندوستانی طلبا کو طب، انجینئرنگ، برقیات، ریاضی، الجبرا، جیومیٹری، سوشیالوجی، نفسیات، قانون، منطق، جغرافیہ، تاریخ، کیمیا، طبیعات، فلاحت، نباتات، یہاں تک کہ گائناکالوجی ایسے جدید سائنسی علوم کی بھی ساڑھے پانچ سو کے لگ بھگ کتب اردو میں ترجمہ کرائیں تاہم اِن میں سے آدھی کتب ہی زیورِ طبع سے آراستہ ہو سکیں۔ دارالترجمہ کے زیرِ اہتمام انگریزی زبان کے علاوہ، فارسی، عربی، جرمنی اور فرانسیسی زبانوں سے بھی متعدد کتب کے براہِ راست اُردو تراجم ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں جامعہ عثمانیہ کی بندش کے ساتھ ہی دارالترجمہ بھی بند کر دیا گیا۔ ریاست حیدر آباد کا الحاق ہندوستان کے ساتھ ہو گیا۔ ۱۹۴۸ء میں یونیورسٹی کے قیام کے بنیادی مقصد یعنی ذریعۂ تعلیم اُردو کو ختم کر کے انگریزی کر دیا گیا۔ خالد محمود خان نے اپنی کتاب "فن ترجمہ نگاری: تاریخِ ترجمہ" (۱۲) میں دارالترجمہ کی تمام مطبوعات کی ایک فہرست اصل کتاب کے ٹائٹل اور مترجم کے نام کے ساتھ دی ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر مجیب الاسلام کی کتاب "دارالترجمہ عثمانیہ کی علمی اور ادبی خدمات اور اردو زبان و ادب پر اس کے اثرات" (۱۳) بھی مزید تفصیل کے لیے دیکھی جا سکتی ہے۔

تقسیم کے بعد گو کہ ہندوستان میں ترقی اُردو بورڈ اور پاکستان میں انجمن ترقی اردو پاکستان جیسے ادارے ابتدا میں ہی قائم ہو گئے تھے لیکن مختلف مسائل کا شکار رہنے کی وجہ سے وہ اُس انداز میں کام نہ کر سکے جیسے جامعہ عثمانیہ جیسے ادارے میں ہوا۔ اس کے باوجود قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) کے بعد قائم ہونے والے مختلف سرکاری اور نجی اشاعتی اداروں نے نہ صرف تراجم کرانے بلکہ اُن کی اشاعت کے اہتمام پر بھی خصوصی توجہ دی۔

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

براہِ راست سرکاری سرپرستی میں قائم ہونے والے اداروں کی بات کی جائے تو سب سے پہلا نام "مجلسِ ترجمہ" کا آتا ہے جسے ۱۹۵۰ء میں حکومتِ پنجاب کے محکمہ تعلیم نے خاص طور پر مشرق و مغرب کی اہم ترین کتب کے تراجم کرانے اور اُن کی اشاعت کے لیے لاہور میں قائم کیا۔ ۱۹۵۸ء تک اس ادارے نے سیاسیات، سماجیات، مذہب، فلسفہ، تاریخ اور سائنس کے موضوعات پر کل پندرہ کتب کے تراجم کروا کر شائع کیے جن کی تفصیل مجلس ترقی ادب کی آفیشل ویب سائٹ پر موجود ہے۔ ان آٹھ سالوں میں پہلے اس ادرے کا نام تبدیل کر کے "مجلس ترقیِ ادب" رکھا گیا اور پھر اس کی تشکیلِ نو کے ذریعے اُس وقت کی حکومتِ مغربی پاکستان نے اس کے اغراض و مقاصد میں تراجم کے ساتھ ساتھ کلاسیکی اُردو متون کی اشاعت اور بہترین مطبوعات پر انعامات دینے کا سلسلہ بھی شامل کر دیا۔ مجلسِ ترقیِ ادب کے سربراہان میں امتیاز علی تاج، پروفیسر حمید احمد خان، احمد ندیم قاسمی، شہزاد احمد، تحسین فراقی، منصور آفاق اور عہدِ حاضر میں عباس تابش شامل ہیں۔ ان میں سے احمد ندیم قاسمی نے سب سے طویل عرصہ ۱۹۷۴ء سے ۲۰۰۶ء تک اس ادارے کے سربراہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ اس ادارے سے ترجمہ ہونے والی معروف کتب میں آر سی ٹمپل کی "حکایاتِ پنجاب" (مترجم: میاں عبد الرشید)، سر جیمز جارج فریزر کی "شاخِ زریں" (مترجم: سید ذاکر اعجاز)، امام غزالی کی "مقاصد الفلاسفہ" کا محمد حنیف ندوی کا کیا ہوا ترجمہ بعنوان "قدیم یونانی فلسفہ"، آرنلڈ جے ٹائن بی کی "مطالعہ تاریخ" (ترجمہ: غلام رسول مہر)، برٹرینڈ رسل کی "معاشرے پر سائنس کے اثرات" (ترجمہ: بشیر احمد چشتی) اور "نظامِ معاشرہ اور تعلیم" (ترجمہ: جی۔ آر۔ عزیز)، ولیم جیمز کی "نفسیاتِ وارداتِ روحانی" (ترجمہ: خلیفہ عبد الحکیم)، چیخوف کا ڈراما "سمندری بگلا" (مترجم: محمد سلیم الرحمن) اور بودلیئر کی نثری نظمیں "پیرس کا کرب" (ترجمہ: لئیق بابری) سمیت متعدد اہم ترین کتب شامل ہیں۔

اس کے بعد "اُردو سائنس بورڈ" اہم سائنسی کتب کے اُردو تراجم اور اشاعت کی غرض سے قائم ہونے والا ایک اہم ادارہ ہے۔ اِس کا قیام سابق صدرِ پاکستان ایوب خان کے قائم کردہ شریف کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں ۲۴/ مئی ۱۹۶۲ء کو "سنٹرل اُردو ڈیویلپمنٹ بورڈ" (مرکزی بورڈ برائے ترقی اُردو) کے نام سے عمل میں آیا۔ کرنل (ر) عبد المجید کو اُس کا پہلا ڈائریکٹر جنرل تعینات کیا گیا۔ اسی نوعیت کا دوسرا ادارہ سنٹرل بنگلہ ڈیلویلپمنٹ بورڈ بھی ساتھ ہی قائم کیا گیا تھا۔ ان اداروں کے قیام کا بنیادی مقصد ہر شعبۂ زندگی میں اُردو اور بنگالی زبان کے استعمال کو بروئے کار لانے میں معاونت اور عملی

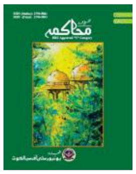

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

اقدامات کرنا تھا۔ بعد ازاں جب اُردو زبان و ادب کی مجموعی ترویج و اشاعت کے لیے نیشنل لینگویج اتھارٹی اور اکیڈمی آف لیٹرز ایسے بڑے ادارے بھی قائم ہو گئے تو ۳۱/ مئی ۱۹۸۲ء کو ایک اور قرارداد کے ذریعے اس ادارے کا نام تبدیل کر کے "اردو سائنس بورڈ" رکھ دیا گیا۔ اس کا صدر دفتر لاہور میں قائم ہوا جبکہ دیگر تین شاخیں حیدر آباد، پشاور اور کوئٹہ میں قائم کی گئیں۔ اس کے سربراہان میں سے معروف افسانہ نگار اشفاق احمد نے سب سے طویل عرصہ خدمات انجام دیں۔ اُن کے علاوہ حنیف رامے، غلام ربانی آگرو، کشور ناہید، ڈاکٹر آغا محمد سہیل، ظفر اقبال، امجد اسلام امجد، محمد اکرام چغتائی، خالد اقبال یاسر، اقبال نبی ندیم، ڈاکٹر ناصر عباس نیر اور ڈاکٹر بصیرہ عنبرین نے اس عہدے پر خدمات انجام دیں۔ اب یہ ادارہ قومی تاریخ و ادبی ورثہ ڈویژن، حکومتِ پاکستان کے ماتحت کام کرتا ہے اور اس کے موجودہ ڈائریکٹر ضیا اللہ طور وہیں۔ اس ادارے کا بنیادی مقصد اردو زبان میں نیچرل سائنسز، سوشل سائنسز اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کے لیے لسانی سطح پر معاونت کرنا اور ان علوم سے متعلق لغات اور کتب کی تیاری اور اشاعت ہے۔ اس مقصد کے تحت اُردو سائنس بورڈ اب تک آٹھ سو کے لگ بھگ کتب، رسائل، لغات، انسائیکلوپیڈیاز اور معلوماتی کتابچے شائع کر چکا ہے جن میں حیاتیات، نباتات، حیوانیات، طب، زراعت، کیمیا، طبیعات، فلکیات، ریاضی، ارضیات، فلسفہ، سیاسیات، صحافت، اسلام، لائبریری سائنس، برقیات اور کمپیوٹر سائنس کے مضامین سے متعلق تالیفات و تصانیف کے علاوہ جوسٹین گارڈر کے ۱۹۹۱ء میں منظرِ عام پر آنے والے مشہور ناول "سوفی کی دنیا" کا ترجمہ از: شاہد حمید، پال ڈیویز کی کتاب "پانچواں معجزہ" کا ترجمہ از: ارشد رازی، نائجل کالڈر کی کتاب "آئن سٹائن کی دنیا" کا ترجمہ از: ناصر ایم چودھری، ہیکٹر بولائتھو کی کتاب "محمد علی جناح" کا ترجمہ از: زہیر صدیقی، امیر خورد کی کتاب "سیر الاولیاء" کا ترجمہ: اعجاز الحق قدوسی اور اُردو میں ماحولیاتی تنقید کے حوالے سے ایک اہم ترجمہ بعنوان "ماحولیاتی تنقید: نظریہ اور عمل" از: ڈاکٹر اورنگ زیب نیازی سمیت متعدد تراجم شامل ہیں۔ ترجمے کی اہمیت و افادیت، طریقِ کار اور عملی مشقوں کے لیے اکتوبر ۲۰۱۷ء میں اُردو سائنس بورڈ نے پانچ روزہ ترجمہ ورکشاپ کا انعقاد کیا۔ اپریل ۲۰۱۹ء میں اس ادارے نے سائنسی کتب کے مترجمین کے اعزاز میں ایک تقریب کا انعقاد کیا اور اُن کی صلاحیتوں کے اعتراف میں خصوصی انعامات سے بھی نوازا۔ مئی ۲۰۲۳ء میں اُردو سائنس بورڈ نے ایک قومی سیمینار "پاکستان میں اُردو ترجمے کے پچھتر سال" لاہور میں منعقد کیا۔ اسی طرح مارچ ۲۰۲۴ء میں "ترجمے کی اہمیت اور ضرورت" کے موضوع پر ایک خصوصی لیکچر کا اہتمام

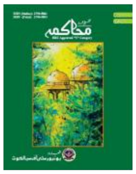

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

کیا گیا۔ متذکرہ بالا تقاریب کے انعقاد اور سائنسی و ادبی کتب کے تراجم کی اشاعت سے اُردو سائنس بورڈ پاکستان میں ترجمے کی ترویج کے لیے متحرک سرکاری اداروں میں ایک نمایاں حیثیت کا حامل ادارہ بن کر سامنا آیا۔

پاکستان میں کتاب کلچر کے فروغ کے لیے ایک اور رفاعی نوعیت کا سرکاری ادارہ "نیشنل بک فاؤنڈیشن" کے نام سے ۱۹۷۲ء میں قائم کیا گیا۔ اُس وقت کے وزیرِ اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے ملک کے غریب طبقے میں کتاب کے ذریعے شعور بیدار کرنے کے ویژن کے ساتھ پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے ذریعے اِس کا قیام ممکن بنایا۔ اسلام آباد میں اس ادارے کے مرکزی آفس کے علاوہ پاکستان کے دیگر صوبائی دارالحکومتوں میں بھی اس کے دفاتر قائم ہوئے۔ علاوہ ازیں علاقائی سطح پر بھی اس کے مختلف بک سیل پوائنٹس قائم کیے گیے۔ کتاب کلچر کے فروغ کے لیے یہ ادارہ قارئین کو نہ صرف پچاس فیصد رعایتی قیمت پر کتاب فراہم کرتا ہے بلکہ نیشنل بک فاؤنڈیشن کے علاوہ دیگر اشاعتی اداروں کی کتب کی رعایتی قیمت پر خریداری کے لیے بھی ایک کارڈ کے اجرا کے ذریعے معاونت کرتا رہا ہے جس کے لیے ہر سال حکومتی سطح پر اس کے لیے وسیع فنڈز مختص ہوتے رہے ہیں۔ ۲۰۲۰ء میں اس ادارے کی نجکاری کی تجویز سامنے آئی، اس کے بعد ادارے کی معمول اور اپنے مینڈیٹ کے مطابق سروسز کافی متاثر ہوئیں۔ آج کل اس کے سربراہ ڈاکٹر کامران جہانگیر ہیں۔ اس سے پہلے معروف افسانہ نگار مظہر الاسلام اور اور شاعر انعام الحق جاوید ایسے ادیب اس کے سربراہ کی حیثیت سے خدمات انجام دے چکے ہیں۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن نے علمی و ادبی موضوعات اور بچوں کے ادب پر کتب کی اشاعت کے ساتھ ساتھ عالمی ادب کے اُردو تراجم اور پاکستانی زبانوں کے ادب کے اُردو تراجم بھی تواتر کے ساتھ شائع کیے۔ گو کہ ترجمے کی ترویج اس ادارے کے بنیادی مقاصد میں شامل نہیں لیکن ترجمہ شدہ کتب کی اشاعت پر نیشنل بک فاؤنڈیشن نے دیگر کتب کے ساتھ ساتھ بھرپور توجہ مرکوز رکھی۔ گوئٹے کا مشہور "دیوانِ شرق و غرب" (ترجمہ: میاں غلام قادر)، "مشرق و مغرب کی کہانیاں" (ترجمہ: ممتاز شیریں)، ابنِ سینا کی "کلیاتِ قانون" (ترجمہ خواجہ رضوان احمد)، ارسطو سے ایلیٹ تک (ترجمہ و تالیف: جمیل جالبی)، "چارلی چیپلن" اور "شیکسپئر کے منتخب ڈرامے" (ترجمہ: امجد علی بھٹی) اور لو گوان چھونگ کی "تین سلطنتوں کی داستان" (ترجمہ: ظہور احمد) سمیت عالمی ادب کے ساتھ ساتھ علاقائی ادب کی لوک کہانیوں اور داستانوں کے اُردو تراجم، پاکستان کے صوفی شعرا شاہ حسین، بابا بلھے شاہ، شاہ عبد اللطیف بھٹائی، شیخ ایاز اور رحمان بابا وغیرہ کے منتخب کلام کے اُردو

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

تراجم بھی نیشنل بک فاؤنڈیشن نے شائع کیے۔ یہ ادارہ آج بھی مذکورہ بالا موضوعات پر اُردو تراجم کی اشاعت میں سر گرم ہے اور اپنے اغراض و مقاصد کی روشنی میں سستے داموں کتاب قارئین تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔

"اکادمی ادبیات پاکستان" نے بھی ترجمے کی ترویج میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اس ادارے کا قیام ۱۹۷۶ء میں عمل میں آیا۔ شفیق الرحمٰن اس کے پہلے چیئرمین تعینات ہوئے۔ ان کے بعد پریشان خٹک، احمد فراز، فخر زمان، نذیر ناجی، افتخار عارف، قاسم بگھیو اور ڈاکٹر یوسف خشک جیسی علمی و ادبی شخصیات اس کی سربراہ رہیں۔ آج کل ڈاکٹر نجیبہ عارف اکادمی ادبیات پاکستان کی چیئرپرسن ہیں۔ اِکادمی ادبیات کے قیام کا بنیادی مقصد تو پاکستانی زبانوں اور ادب کے فروغ اور ملک میں اہلِ قلم برادری کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنا تھا تاہم اس کے اغراض و مقاصد میں سے اہم یہ بھی تھا کہ ملک کے مختلف خطوں میں یک جہتی اور فکری مفاہمت کے فروغ کے لیے پاکستانی زبانوں کے منتخب ادب کے بین اللسانی تراجم کروا کر انھیں شائع کیا جائے۔ اکادمی ادبیات نے پاکستانی زبانوں پنجابی، سرائیکی، پشتو، بلوچی، سندھی، شنا، ہندکو، براہوی، بلتی اور کشمیری وغیرہ کی منتخب شاعری، افسانوں اور لوک ادب کے تراجم کے علاوہ جرمنی، روس، فن لینڈ، کینیڈا، امریکہ، برازیل، کیوبا، ترکی، سعودی عرب، چین اور ناورے سمیت دنیا کے مختلف خطوں کی منتخب کہانیوں کے تراجم بھی شائع کیے۔ علاوہ ازیں نوبیل انعام یافتہ ادیبوں کی شاعری اور نثر کو بھی ترجمے کی صورت میں چھاپا گیا۔ اکادمی ادبیات پاکستان کے سہ ماہی رسالہ "ادبیات" کے متعدد خاص نمبرز اور عمومی شماروں میں بالخصوص تراجم کو جگہ دی گئی۔ اسی طرح نوبیل انعام یافتہ ناول نگاروں گبریئل گارشیا مارکیز اور حوزے ساراماگو وغیرہ کے ناولوں کے علاوہ میلان کنڈیرا ایسے عالمی ادب کے نامور لکھاریوں کے کتب کے اُردو تراجم شائع کیے گئے۔ اکادمی ادبیات نے پاکستان کے صوفی شعرا شاہ لطیف، شاہ حسین، بابا بلھے شاہ، حضرت سلطان باہو، وارث شاہ اور رحمان بابا وغیرہ کے کلام کو بھی اُردو ترجمے کی صورت میں شائع کیا۔ اس ادارے کی ترجمے کے فروغ میں خدمات کے ساتھ ساتھ بین اللسانی رابطہ مستحکم کرنے اور بین الثقافتی مطالعات کی بنیادیں مضبوط کرنے میں خدمات قابلِ تحسین رہی ہیں۔

"مقتدرہ قومی زبان پاکستان" جس کا نام اب ادارۂ فروغِ قومی زبان ہے، ۱۹۷۹ء میں اِس ویژن کے تحت قائم ہوا کہ اُردو کے بحیثیت سرکاری زبان نفاذ کے ضروری اقدامات کیے جائیں، مختلف شعبہ ہائے زندگی و علم کی شاخوں سے متعلق لغات

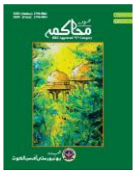

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

کی تیاری اور مواد تیار کر کے اُردو کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ دفاتر میں رائج ہو سکے اور اُردو کو مقابلے کے امتحانات کی زبان کے طور پر اختیار کرنے کے بارے میں بھی حکومت کو سفارشات بھجوائی جا سکیں۔ اس ادارے کا پہلے صدر نشین پروفیسر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی تھے اور اُن کے کراچی میں واقع گھر میں ہی اس ادارے کا پہلا دفتر قائم ہوا۔ اُن کے بعد ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر جمیل جالبی، افتخار عارف، فتح محمد ملک اور ڈاکٹر انوار احمد ایسے ادیب اور دانشور اس کے سربراہ رہے۔ آج کل ڈاکٹر سلیم مظہر اس کے صدر نشین ہیں۔ اس ادارے کے چھ ذیلی شعبہ جات میں دار الغت، دارالترجمہ، دارالتصنیف، دار الاشاعت، اُردو اطلاعیات اور کتاب خانہ شامل ہیں۔ یوں تو مقتدرہ قومی زبان نے اردو لغات، نفاذِ اُردو، اُردو کی علاقائی اور بین الاقوامی صورتحال، اردو صحافت، مختلف زبانوں کے ساتھ اُردو کے تعلق سمیت اُردو شاعری اور نثر پر مختلف محققین کی کتب اور مقالات سیکڑوں کی تعداد میں شائع کیے لیکن ہماری دلچسپی اس ادارے کے تراجم میں ہے۔ دارالترجمہ کے تحت مختلف سرکاری محکموں، اداروں، عہدوں کے نام اور اُن میں اُردو خط و کتابت کے لیے انگریزی اصطلاحات کے تراجم، مختلف قانونی و دفتری اصطلاحات کے ساتھ ساتھ سائنسی، موسیقاتی اور لسانی اصطلاحات بھی مرتب کرائیں گئیں۔ محمد اسلام نشتر نے پاکستانی مترجمین کی ایک ڈائریکٹری ۲۰۰۹ء میں مرتب کی۔ مقتدرہ قومی زبان نے تراجم پر عظیم کتب کے نام سے ایک پوری سیریز شائع کی جس میں "مکالماتِ افلاطون"، اور ایلون ٹوفلر کی "تیسری لہر" ایسی اہم کتب شامل تھیں۔ ایڈورڈ سعید ایسے عالمی دانشوروں کی کتب سمیت تحقیق و تنقید کی مبادیات پر بھی بہت اہم کتابیں مقتدرہ قومی زبان سے شائع ہوئیں۔

براہِ راست سرکاری سرپرستی میں قائم ہونے والے متذکرہ بالا اداروں کے علاوہ مختلف پاکستانی جامعات میں بھی ترجمے کی ترویج و اشاعت کے لیے مختلف اوقات میں مختلف ادارے سرگرم رہے ہیں۔ پاکستانی سرکاری تعلیمی اداروں میں سے ترجمے کی ترویج کے لیے قائم ہونے والا سب سے قدیم فورم گورنمنٹ کالج لاہور کی "سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی " ہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں ایک ڈریمیٹک کلب پہلے سے موجود تھا جس نے ۱۹۱۷ء میں شیکسپیئر کے ڈراما "اے کامیڈی آف ایررز" کا ترجمہ "گورکھ دھندا" کے عنوان سے کیا لیکن یہ سٹیج نہ ہو سکا۔ پھر ۱۹۱۸ء میں شیکسپیئر کے "ہیملٹ" کا اردو ترجمہ کیا اور اسے سٹیج کیا۔ اس ڈرامیٹک کلب کے زیرِ اہتمام برنارڈ شاہ اور گوگول کے ڈراموں کے تراجم امتیاز علی تاج اور پطرس بخاری نے کیے۔ سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی کا قیام دراصل اسی ڈرامیٹک کلب کی توسیع تھی جو گورنمنٹ کالج کے

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

پرنسپل گرودت سوندھی (۱۸۹۰ء۔۱۹۶۶ء) نے کی۔ جے ڈی سوندھی کا تعلق لاہور کے ایک پنجابی خاندان سے تھا۔ دو ۱۹۰۵ءسے ۱۹۱۱ءتک گورنمنٹ کالج لاہور کے طالب علم رہے اور یہاں سے تاریخ میں ایم اے کی سند حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے ٹرینیٹی کالج کیمبرج چلے گئے۔ وہ کھیلوں میں غیر معمولی دلچسپی رکھنے والے آدمی تھے۔ ڈرامے کو بھی کھیل سمجھتے تھے، اسی لیے دیگر کھیلوں کے ساتھ ساتھ ڈراموں میں سٹیج ہونے والے ڈراموں میں بھی باقاعدہ اداکاری کرتے رہے۔ ۱۹۳۹ء میں جب وہ گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسل گیارہویں پرنسپل تعینات ہوئے تو کالج میں کھیلوں کے ساتھ ساتھ ڈرامیٹک کلب کی سرگرمیوں پر خصوصی طور پر توجہ دی۔ انھوں نے ڈرامیٹک کلب کے زیرِ اہتمام ترجمہ اور سٹیج ہونے والے ڈراموں کو غیر موزوں سمجھتے ہوئے اس کی تشکیلِ نو کا منصوبہ بنایا۔ اس مقصد کے تحت انھوں نے سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی قائم کی اور کالج کے ایک پنجابی طالب علم محمد صادق اس کے پہلے سیکرٹری منتخب ہوئے۔ اس سوسائٹی کے ذمے لگا کہ وہ کالج میں سٹیج کرنے کے لیے ایسے ڈراموں کا انتخاب اور ترجمہ کرے جو پنجابی کلچر کے لیے بھی موزوں ہوں۔ سوسائٹی نے متذکرہ منشور کے تحت پانچ مختلف یوروپی ڈراموں کے تراجم کیے۔ محمد صادق کے بعد صفیہ عبدالوحید نامی ایک طالبہ سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی کی سیکرٹری منتخب ہوئی اور اس ادارے کا دائرہ کار ڈراموں کے تراجم سے بڑھ کر ایسے مضامین اور ان کے تراجم تک پھیل گیا جو مغربی اور مشرقی ثقافت کے درمیان رابطے اور اشتراکات کی تلاش میں معاون ہوں۔ اس زمانے میں سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی کے ممبران نے مغربی کلچر کے مشرقی خواتین پر اثرات اور مشرق و مغرب میں شادی جیسی رسوم کے فرق ایسے موضوعات پر مضامین پیش کیے۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی گورنمنٹ کالج لاہور کی ہم نصابی سرگرمیوں میں سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی کا اہم حصہ شامل رہا۔ مختلف زمانوں میں اس سوسائٹی کی تنظیمِ نو بھی ہوتی رہی تاہم اس سوسائٹی کے زیرِ اہتمام ترجمے کے باب میں کوئی بڑا کام سامنے نہیں آ سکا جس کی بڑی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ سوسائٹی دراصل طلبا کا ایک ہم نصابی فورم تھی اور ایسے اُس طرح ادارہ جاتی یا حکومتی سطح کی سرپرستی حاصل نہ رہی جس طرح اس کے بعد قائم ہونے والے تالیف و ترجمے کے دیگر اداروں کو ہوئی۔

کراچی یونیورسٹی میں "شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ" کا قیام ۱۹۵۷ء میں عمل میں آیا۔ میجر آفتاب حسن اس کے پہلے اعزازی ناظم مقرر ہوئے۔ اس شعبے کے قیام کا مقصد فنی اصطلاحات کی فرہنگیں تیار کرنا، اُردو زبان میں نصابی کتب کا

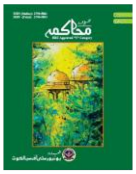

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ترجمہ اور عالمی کلاسیکی سرمایے کو اُردو اور اُردو کے کلاسیکی سرمایے کو دوسری عالمی زبانوں میں ترجمہ کرنا تھا۔ اصطلاحات کی متواتر اشاعت کے لیے ایک سہ ماہی رسالہ بھی "جریدہ" کے نام سے شروع کیا گیا جس کے کل ۳۷ شمارے شائع ہوئے۔ شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کے زیرِ اہتمام کل ۴۸ کتب شائع ہوئیں جن میں میجر آفتاب حسن، علی عارف رضوی اور طارق محمود کی مرتبہ اصطلاحات اور تالیفات و تراجم کے علاوہ فلسفہ، تاریخ، سیاسیات، تعلیم اور سماجی و اقتصادی موضوعات پر نامور محققین کی مختلف کتب شامل ہیں۔ پروفیسر ریاض الاسلام کی "تاریخِ جامعہ کراچی (۱۹۵۱ء سے ۱۹۷۶ء تک)" بھی اسی شعبے نے شائع کی جو آج بھی جامعہ کراچی کے ابتدائی پچیس برسوں کی تاریخ جاننے کے لیے اہم ترین دستاویز ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر محمد احسن فاروقی کی "تاریخِ ادبِ انگریزی"، اشتیاق حسین قریشی کی "پاکستان ناگزیر تھا"، "سلطنتِ دہلی کا نظمِ حکومت" اور "برعظیم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ" کے اُردو تراجم، پروفیسر محمد خلیل اللہ کی "دساتیر عالم" اور روسو کی "معاہدۂ عمرانی" کا اُردو ترجمہ ایسی اہم کتب اس ادارے نے شائع کیں۔ ۱۹۸۸ء میں جامعہ کراچی کے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر منظور الدین احمد کی خصوصی دلچسپی سے یونیورسٹی پرنٹنگ پریس کا قیام عمل میں آیا۔ دس برس بعد ۹۹۔۱۹۹۸ء میں یونیورسٹی سینڈیکیٹ نے شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کو مطبع میں ضم کر کے "مطبع جامعہ کراچی" کے نام سے ایک ادارہ بنا دیا جس کا مقصد شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کے ساتھ ساتھ شہر کے دوسرے علمی اداروں کی مطبوعات کو بھی شائع کرنا تھا تاکہ جامعہ کی آمدن بڑھائی جا سکے لیکن اس فیصلے کو علمی حلقوں کی زیادہ تائید حاصل نہ ہو سکی لہٰذا شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کی پرانی حیثیت کو بحال کر دیا گیا۔ یہ شعبہ جامعہ کراچی میں اب بھی موجود ہے، ڈاکٹر ندیم محمود اس کے ناظم ہیں اور وہ شعبے کی تمام مطبوعات کو ڈیجیٹلائز کرنے کے حوالے سے کوشاں ہیں۔ شعبے کی اُردو مطبوعات کے حوالے سے مزید معلومات کے لیے تسنیم فاطمہ کا ایک تحقیقی مقالہ بعنوان "شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کی اُردو مطبوعات کا جائزہ (قیام سے ۲۰۱۰ء تک)(۱۴) ملاحظہ کیجیے۔

"ادارۂ تالیف ترجمہ"، جامعہ پنجاب لاہور میں ۱۹۶۲ء میں قائم ہوا۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار "صد سالہ تاریخِ پنجاب" میں بتاتے ہیں کہ اس کے قیام کی تجویز پروفیسر حمید احمد خاں نے اُس وقت کے وائس چانسلر جامعہ پنجاب شیخ محمد شریف کو ایک خط کے ذریعے پیش کی۔ اس کے پس منظر میں اُردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لیے عملی اقدامات اٹھانے کے

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

حکومتی فیصلے کا حوالہ دیا گیا۔۱۳ / جنوری ۱۹۶۲ء کو جامعہ پنجاب کی سینڈیکیٹ نے اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے اور اسے قابلِ عمل بنانے کے لیے Urdu Development Committee قائم کی جس کے صدر جسٹس ایس اے رحمن تھے جبکہ کنویز پروفیسر حمید احمد خاں کو بنایا گیا۔ دیگر ارکان میں میاں بشیر احمد، ڈاکٹر رفیق احمد خاں، ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، ڈاکٹر سید عبداللہ، مولانا غلام رسول مہر، ڈاکٹر نیاز احمد اور ڈاکٹر نذیر احمد شامل تھے۔ کمیٹی نے ۲۸ / فروری ۱۹۶۲ء کو ادارۂ تالیف و ترجمہ کے قیام کی باقاعدہ سفارش آئندہ مالی سال کی بجٹ تجاویز کے ساتھ پیش کی۔ دسمبر ۱۹۶۲ء میں اس کا باقاعدہ قیام عمل میں آیا(۱۵)۔ سید وقار عظیم اس کے پہلے جُز وقتی سربراہ تعینات ہوئے۔ شروع میں یہ اسلامیہ کالج سول لائنز کی عمارت میں موجود رہا، پھر ایک سال بعد یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری کے احاطے میں ایک مختصر عمارت میں منتقل ہو گیا۔ سید وقار عظیم اور پروفیسر محمود احمد خاں کے علاوہ مختلف سائنسی علوم کے اساتذہ پر مشتمل ایک کمیٹی برائے وضع اصطلاحاتِ علمیہ نے معاشیات، نفسیات اور سیاسیات کی اصطلاحات پر مشتمل کتب کی اشاعت کے ساتھ ساتھ سائنسی متون کے اُردو تراجم کے لیے ۱۹۶۲ء سے ۱۹۷۰ء تک پوری لگن کے ساتھ کام کیا جس کے نتیجے میں معاشیات، شماریات، حیوانیات، نباتات، فلکیات اور غذا اور غذائیت سے متعلق موضوعات پر متعدد اُردو تراجم شائع ہوئے۔ ۱۹۷۰ء میں سید وقار عظیم کی ریٹائرمنٹ کے بعد سید عبداللہ اس ادارے کے سربراہ مقرر ہوئے۔ انھوں نے سید وقار عظیم کے کام کو آگے بڑھاتے ہوئے مختلف سائنس دانوں کی مشاورت سے سائنسی موضوعات پر مونوگراف کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا۔ اس ضمن میں نظریۂ اضافیت، کیمیا، طبیعات، میکانیات، زراعت، معدنیات، دھاتوں کے علوم، فولاد سازی، نباتات، نفسیات، فضائی آلودگی اور سیاروں کے علم سمیت متعدد موضوعات پر کتب کے اُردو تراجم شائع ہوئے۔ پروفیسر حمید احمد خاں ۱۹۶۳ء میں جامعہ پنجاب کے وائس چانسلر بنے تھے اور ادارۂ تالیف و ترجمہ کا منصوبہ جو اُن کے ہی ذہن کی پیداوار تھا، ہمیشہ اُن کی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے ترجمہ و تالیف کے کام میں بہت سرگرم رہا۔ اسی ادارے کے زیرِ اہتمام انھوں نے ایک اور بڑے منصوبے "تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاک و ہند" کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۶۴ء میں یونیورسٹی سینڈیکیٹ سے منظوری کے بعد اس منصوبے پر کام کا آغاز ہوا۔ پروفیسر حمید احمد خاں اس منصوبے کے اعزازی مدیرِ اعلیٰ اور گروپ کیپٹن سید فیاض محمود مدیر انتظامی مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر محمد صادق کو حصہ اُردو کا مدیر اور ڈاکٹر سید عبداللہ کو حصہ عربی و فارسی کا مدیر مقرر کیا گیا۔ ۱۹۷۲ء تک سید فیاض محمود اس منصوبے سے منسلک

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

رہے اور "تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاک وہند" کی کل چودہ جلدیں شائع ہوئیں۔ پنجاب یونیورسٹی کے دو بڑے اداروں "ادارۂ تالیف وترجمہ" اور "اُردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ" کی تاریخ کو بغور دیکھا جائے تو ادارہ جاتی انتظامی مسائل اور مختلف منتظمین کے درمیان باہمی تناؤ کی وجہ سے یہاں کے بڑے علمی منصوبے کافی متاثر ہوئے۔ ادارۂ تالیف وترجمہ کی سابق سربراہان میں ڈاکٹر سید عبداللہ اور ڈاکٹر عبادت بریلوی کے بعد سید امجد الطاف، ڈاکٹر سہیل احمد خان، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر تحسین فراقی، ڈاکٹر سلیم ملک، ڈاکٹر فخر الحق نوری، ڈاکٹر اورنگ زیب عالمگیر، ڈاکٹر محمد کامران اور ڈاکٹر زاہد منیر عامر شامل رہے۔ جنوری ۲۰۲۱ء میں جامعہ پنجاب کے وائس چانسلر ڈاکٹر نیاز احمد کے دور میں اس کی حیثیت کمیٹی سے تبدیل کر کے ایک سنٹر کی بنادی گئی اور اس کا نام اُردو ڈیویلپمنٹ اینڈ ٹرانسلیشن سنٹر رکھ کر فیکلٹی آف اورینٹل لرننگ کا باقاعدہ حصہ بنادیا گیا۔ ان دونوں ڈاکٹر بصیرہ عنبرین اس ادارے کی سربراہ ہیں۔ اِس ادارے نے گزشتہ چند برسوں سے تراجم کے علاوہ دیگر اصنافِ نظم ونثر پر بھی مختلف تصانیف کی اشاعت کی گنجائش پیدا کی ہے۔

پاکستانی جامعات کی سطح پر ترجمے کو اب باقاعدہ ایک اکیڈیمک ڈسپلن کے طور پر متعارف کرادیا گیا ہے۔ اس روایت کا آغاز علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے سنٹر فار لینگو نجز اینڈ ٹرانسلیشن اسٹڈیز نے کیا۔ اس کے بعد انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں ۲۰۰۶ء میں ڈیپارٹمنٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ انٹرپریٹیشن (ترجمہ وترجمانی) قائم ہوا جہاں باقاعدہ ترجمے کے میدان میں بی ایس، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر تعلیم دی جاتی ہے۔ گجرات یونیورسٹی میں سنٹر فار لینگونجز اینڈ ٹرانسلیشن اسٹڈیز ۲۰۱۲ء میں قائم ہوا جہاں ترجمے کے موضوع پر مختلف پراجیکٹس اور ایک تحقیقی جریدے کا باقاعدہ آغاز کیا گیا۔ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگونجز اسلام آباد میں بھی ڈیپارٹمنٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ انٹرپریٹیشن موجود ہے جہاں ۲۰۱۹ء سے ترجمہ وترجمانی کے میدان میں باقاعدہ انڈر گریجویٹ کی ڈگری آفر کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ شعبہ تیئس کے لگ بھگ عالمی زبانوں کے اُردو میں باہمی تراجم کے لیے عملی خدمات بھی فراہم کرتا ہے۔ یہ شعبہ خارجہ امور کے محکمے کے ساتھ کام کرنے کے لیے مختلف مترجمین کی تربیت پر خصوصی توجہ دے رہا ہے۔ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں بھی ایک "مرکزِ ترجمہ و بین الثقافتی مطالعات" ۲۰۲۳ء میں قائم کیا گیا جس کا بنیادی مقصد پاکستانی اور دیگر عالمی زبانوں کے اُردو کے ساتھ باہمی تراجم کے ذریعے بین الثقافتی روابط کو مضبوط بنانا ہے۔ اس مرکز کے زیرِ اہتمام مشین

علمی و تحقیقی مجلہ "محاکمہ" یونیورسٹی آف سیالکوٹ

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ٹرانسلیشن کے لیے مختلف کارپس کی تیاری پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔ گویا ترجمہ اب صرف کتابی صورت میں اشاعت تک محدود نہیں رہا بلکہ دنیا بھر کی طرح پاکستانی جامعات میں ایک اکیڈیمک ڈسپلن اور ریسرچ کا موضوع بن کر سامنے آیا ہے۔

سرکاری اداروں اور جامعات کے ساتھ پاکستان میں ترجمے کی ترویج واشاعت کے ضمن میں نجی اداروں کی خدمات بھی قابلِ قدر ہیں۔ نجی اداروں میں سے فرینکلن سب سے قدیم ادارہ تھا جو ۱۹۵۲ء میں نیویارک (امریکہ) میں قائم ہوا۔ اس کا نام بنجمن فرینکلن کے نام پر رکھا گیا جو یو ایس اے کی اولین پبلک لائبریری کا بانی تھا۔ اس ادارے کا بنیادی مقصد بھی کتاب کلچر اور لائبریریوں کا فروغ تھا۔ پاکستان میں اس کی دو شاخیں لاہور اور ڈھاکہ میں قائم ہوئیں۔ لاہور شاخ ۱۹۵۴ء میں قائم ہوئی۔ اس ادارے کو پاکستان میں بھرپور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا جس میں حنیف رامے اور مظفر علی سید ایسے نامور لوگ پیش پیش رہے۔ اُن کا خیال تھا کہ یہ ادارہ اوریجنل ٹرانسلیشن اور لٹریری سرگرمیوں سے زیادہ امریکی مفادات کا تحفظ کرتا ہے۔ اس ادارے نے چار سو کے لگ بھگ کتب شائع کیں (۱۶)۔

ترجمے کی اشاعتی روایت کو نجی اداروں میں سے "مقبول اکیڈمی لاہور" نے آگے بڑھایا جس کا قیام ۱۹۵۵ء میں عمل میں آیا۔ مقبول اکیڈمی نے زیادہ تر بچوں کے ادب کے حوالے سے کتب کے تراجم شائع کیے۔ اس ادارے نے مختلف ممالک، یوگوسلاویہ، چیکوسلواکیہ، کینیڈا، میکسیکو، جنوبی افریقہ، نیدرلینڈ، برما، نیوزی لینڈ، ایتھوپیا، برازیل، سویڈن، چلی، پیرو، ڈنمارک، ونزویلا، ترکی، انڈونیشیا، بھارت، تھائی لینڈ کی لوک کہانیاں شائع کیں جنھیں ارشد ملک نے اردو میں ترجمہ کیا۔ سوشلسٹ لٹریچر، تاریخ اور افکارِ نو کے موضوعات پر ایک اور ادارے "پیپلز پبلشنگ ہاؤس" نے بھی سجاد باقر رضوی اور سجاد ظہیر، سبطِ حسن کے تراجم چھاپ کر اس روایت کو فروغ دیا۔ یہ ادارہ ترقی پسند فکر اور بالخصوص دارالاشاعت ماسکو کے ترجمے کے کام کو آگے بڑھانے کے حوالے سے سرکردہ حیثیت رکھتا ہے۔ روسی کتب کے اُردو تراجم اور بائیں بازو کے لٹریچر کی اشاعت میں پیپلز پبلشنگ ہاؤس لاہور کی خدمات قابلِ قدر ہیں۔ پیپلز پبلشنگ ہاؤس کے علاوہ "مکتبہ اردو" ایک ایسا نجی اشاعتی ادارہ تھا جس نے کارل مارکس، اینگلز، سٹالن اور دیگر سوشلسٹ مفکرین اور راہنماؤں کی کتب کے تراجم چھاپے۔ ان تراجم میں سے بیشتر باری علیگ نے کیے۔ بعد ازاں نذیر احمد چودھری اور چودھری برکت علی کا یہ ادارہ مختلف مسائل کی وجہ

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

سے ختم ہو گیا۔ اس روایت میں نوے کی دہائی میں ایک اور اہم نام "مشعل" کا اضافہ ہوا۔ مشعل ۱۹۸۸ء میں قائم ہونے والی ایک این جی او (نان گورنمنٹ آرگنائزیشن) ہے جسے امریکی اساس OBOR (انٹرنیشنل بک انسٹی ٹیوٹ) نے پاکستان میں قائم کیا۔ اس ادارے کے قیام کا مقصد غریب ممالک میں کتاب کی سستے داموں اشاعت اور فروغ تھا۔ اِس ادارے نے تین سو سے زیادہ کتب شائع کیں جن میں سے بیشتر تراجم ہیں۔ اس کا مرکزی دفتر لاہور میں قائم ہوا تاہم ملک کے دیگر حصوں میں بھی مشعل نے مختلف آؤٹ لٹس کے ذریعے اپنی کتابیں فروخت کیں۔ اب اس سوسائٹی نے اسلام آباد میں دی بلیک ہول کے نام سے اپنا دفتر قائم کیا ہے جہاں بکس آؤٹ لٹ کے ساتھ ساتھ ایک وڈیو لیکچر رُوم بھی ہے۔ وہاں منعقدہ لیکچرز کو سوشل میڈیا پر آن لائن بھی نشر کیا جاتا ہے۔ مشعل کی بنیادی پہچان ایک روشن خیال اور ترقی پسند ادارے کی ہے۔ اس کے بورڈ آف گورنرز کے چیئرمین ڈاکٹر عبدالحمید نیر، وائس چیئرمین بیرسٹر سلمان اکرم راجا اور ممبرز میں ڈاکٹر پرویز ہود بھائی، خالد احمد اور فاروق سلہریا جیسے بڑے نام شامل ہیں۔ تاہم اس ادارے کے لیے قابلِ قدر عملی خدمات انجام دینے والوں میں پرویز ہود بھائی کے بعد سب سے اہم نام امروز اخبار کے سابق ایڈیٹر اور اُردو کے نامور فکشن رائیٹر مسعود اشعر (۱۹۳۱ء۔۲۰۲۱ء) کا ہے جنھوں نے خود متعدد کتب کے تراجم کر کے مشعل سے شائع کیے۔ مشعل نے سائنس، معاشیات، سماجیات، تاریخ، فلسفہ اور ادب کے موضوعات پر زیادہ تراجم شائع کیے۔ مشعل کے زیرِ اہتمام حسن عابدی، حنیف کھوکھر، محمد راشد رازی، اعزاز باقر، مقبول الٰہی، مسعود اشعر اور ناظر محمود نے زیادہ کتب کے تراجم کیے۔ مشہور کتابوں میں سے کارل سیگان کی "کوسموس" (ترجمہ: یاسر جواد)، سٹیفن ہاکنگ کی "وقت کا سفر (بگ بینگ سے بلیک ہول تک کی مختصر تاریخ)" ترجمہ (ناظر محمود)، رومیلا تھاپڑ کی "ماضی بطور حال" ترجمہ (اعزاز باقر)، ملالہ یوسفزئی کی سوانح "میں ہوں ملالہ" (ترجمہ: مقبول الٰہی)، کیرم آرم سٹرانگ "اسطور کی تاریخ" (ترجمہ: ناصر عباس نیر)، چینوا اچیبے کا ناول "بکھرتی دنیا" (ترجمہ: اکرام اللہ) اور سٹیفن کوہن کی "پاکستان کا مستقبل" (ترجمہ: محمد اختر) ایسی کتب شامل ہیں۔

ترجمے کی ترویج و اشاعت کے ضمن میں دیگر نجی اداروں میں نگارشات، تخلیقات، دانیال، فکشن ہاؤس، جمہوری پبلی کیشنز اور عصرِ حاضر میں خاص طور پر عکس پبلی کیشنز نے زیادہ حصہ ڈالا ہے۔ عکس پبلی کیشنز نے مذہب، تاریخ، فلسفہ اور ادب کے موضوعات پر لکھے گئے دنیا کے نامور مصنفین کی کتب اُردو میں شائع کی ہیں۔ پاکستان میں گو کہ اب ادبی صحافت کی

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

روایت دم توڑ رہی ہے لیکن آج سے دس پندرہ برس پیچھے جائیں تو مختلف اداروں اور شخصیات کے ادبی رسائل و جرائد کا بھی ترجمے کی ترویج میں گراں قدر حصہ شامل رہا ہے۔ ادبِ لطیف، سویرا، ادبیات، سیپ، فنون، ارتقا، نقاط، دنیازاد اور بالخصوص کراچی سے شائع ہونے والے اجمل کمال کے رسالے "آج" نے ادبِ عالیہ پڑھنے والے قارئین کے لیے دنیا کے بہترین ادب کو اُردو زبان میں پیش کیا۔ ترجمہ ایک صنفِ ادب کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ مختلف ثقافتوں کے مابین مکالمے کے لیے بھی بہت موثر وسیلے کی حیثیت رکھتا ہے۔ موجودہ زمانے میں آرٹیفشل انٹیلی جنس اور بہت سے دیگر آئی ٹی ٹولز کے آنے کے بعد کچھ حلقوں میں یہ بحث جاری ہے کہ مترجم غیر متعلق ہو رہا ہے یا اکیڈیمک اینڈ سوشل انڈسٹری کو اب اس کی ضرورت اب باقی نہیں رہے گی لیکن اگر ہم زبان کے ثقافتی خمیر پر یقین رکھتے ہیں اور اس کی اہمیت کو سمجھ سکتے ہیں تو یہ سمجھنا بھی آسان ہو گا کہ ترجمے کے کام سے انسانی ذہانت کو منہا کرنا آسان نہیں۔ ثقافتی احساس اور فنی و جمالیاتی ادراک کا حقیقی سرمایہ انسان کا مشین پر تفوق قائم رکھے گا اس لیے ترجمہ انڈسٹری میں ابھی ہیومن ان پٹ اور ایفرٹ کے بہت امکانات موجود ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ عبدالحفیظ قتیل، میراں جی خدا نما کے حالات اور ادبی خدمات، (حیدرآباد: اُردو اکادمی، ۱۹۶۱ء)

۲۔ مولوی عبدالحق، مقدمہ: سب رس، از: ملا وجہی، (کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۲ء)

۳۔ نثار احمد قریشی، اردو میں نثری تراجم کی روایت کا مختصر جائزہ، مشمولہ: ترجمہ: روایت اور فن، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء)، ص ۳

۴۔ حامد حسن قادری نے "داستانِ تاریخِ اُردو" میں "شمائل الاتقیا" کو شیخ برہان الدین اورنگ آبادی کی تصنیف بتایا ہے، ص ۷۵

۵۔ حامد حسن قادری، داستانِ تاریخِ اردو (دہلی: اے بی سی آفسیٹ پرنٹرز، ۲۰۰۷ء)، ص ۷۸

۶۔ ایضاً، ص ۹۲

۷۔ نثار احمد قریشی، ترجمہ: روایت اور فن، ص ۵

۸۔ ارتضیٰ کریم، مقدمہ: نوطرزِ مرصع، از: عطا حسین خان تحسین، (دہلی: ایچ ایس آفسیٹ پرنٹرس، ۲۰۱۵ء)، مرتبہ، ص ۹

۹۔ ایضاً، ص ۲۴۹

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

۱۰۔ کچھ محققین نے سائنٹفک سوسائٹی کی مطبوعہ کتب کی تعداد چالیس تک بتائی ہے لیکن در حقیقت یہ پندرہ سے بیس کے درمیان ہے۔

۱۱۔ مرزا حامد بیگ، مغرب سے نثری تراجم، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۸ء)، ص ۱۹۰

۱۲۔ خالد محمود خان، فن ترجمہ نگاری: تاریخِ ترجمہ، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۹ء)

۱۳۔ مجیب الاسلام، دارالترجمہ عثمانیہ کی علمی اور ادبی خدمات، (دہلی: ثمر آفسیٹ پریس، ۱۹۸۷ء)

۱۴۔ تسنیم فاطمہ، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کی اُردو مطبوعات کا جائزہ (قیام سے ۲۰۱۰ء تک)، مشمولہ: مجلہ "الماس"، (خیر پور: شعبہ اردو، شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، ۲۰۲۰ء)، شمارہ نمبر ۲۳

۱۵۔ غلام حسین ذوالفقار، صد سالہ تاریخِ پنجاب، (لاہور: جامعہ پنجاب، ۱۹۸۲ء)، ص ۳۶۴

۱۶۔ فہرست کے لیے ملاحظہ کیجیے: کتابیاتِ تراجم، (جلد اول و دوم)، از: مرزا حامد بیگ، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۸ء)